سوال :۔ بیت اللہ شریف میں نمازی کے آگے سے گزرنے کی رخصت ہے یا نہیں؟

محمد عبدالتواب کلکتہ بنگال

جواب :۔ بیت اللہ شریف میں نمازی کے آگے سے گزرنا درست ہے۔ منتقی میں حدیث ہے مطلب بن ابی وداعہ رضہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (بیت اللہ میں) باب بنی سہم کی جانب سے یعنی حجر اسود کے سامنے نماز پڑھتے تھے۔ اور لوگ آگے سے گزرتے تھے۔ آپ کے اور بیت اللہ کے درمیان کوئی سترہ نہ تھا۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ شریف میں سترہ کا حکم نہیں۔ اور وجہ اس کی ظاہر ہے کہ وہاں ہر وقت طواف ہوتا ہے اور ہر وقت نماز ہوتی ہے اور ہجوم رہتا ہے اس لئے سترہ کا انتظام مشکل ہے۔

اِس حدیث میں اگرچہ کچھ ضعف ہے لیکن سب مذاہب کا تعامل اس کا مؤید ہے۔ اور اس کے ساتھ مجبوری کو بھی شامل کر لیا جائے (کہ ہجوم کی وجہ سے سترے کا وہاں انتظام مشکل ہے) تو اس سے اور تقویت ہو جاتی ہے پس اس حدیث کی بنا پر بیت اللہ شریف سترہ کے حکم سے مستثنیٰ ہوگا۔

عبدالقادر قصوری روپڑ ضلع انبالہ

مورخہ ۲۱ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ۔ ۱۵ جولائی ۱۹۳۶ء

نماز کی کیفیّت کا بیان

نماز کی شرائط

سوال :۔ نماز کی شرائط کیا ہیں۔ ان کی تفصیل سے آگاہ فرمائیں۔

جواب :۔ ہر عمل کے لئے ایک طریقہ ہے اگر اس طریق پر وہ ادا نہ ہو تو محنت رائیگاں جاتی ہے۔ اور اس سے نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ ہنڈیا اور روٹی پکانی ہو تو اس کے سیکھنے کی بھی ضرورت پڑتی ہے۔ نماز تو ایک بہت بڑی ذمہ داری کا کام ہے اس کے لئے بھی بہت سے شرائط و فرائض اور متعلقات ہیں۔ اگر ان کا لحاظ نہ رکھا جائے تو نماز سرے ہی سے ادا نہیں ہوتی یا ناقص ہوتی ہے۔ نماز کے لئے استقبال قبلہ شرط ہے ہاں اگر جنگل میں قبلہ کا پتہ

نہ لگے تو جس طرف قبلہ کی جانب کا زیادہ خیال ہو اُس طرف نماز پڑھ لے۔ اس طرح سواری پر بھی نفل پڑھنے ہوں تو نماز کی نیت باندھنے کے وقت استقبال قبلہ کافی ہے۔ پھر خواہ رہے یا نہ رہے۔ ستر عورت شرط ہے۔ جس کی تفصیل ہو چکی ہے۔ اور اسی طرح طہارت شرط ہے۔ طہارت دو طرح کی ہے۔ ظاہری اور حکمی۔ ظاہری یہ ہے کہ ظاہری نجاسات سے بدن، کپڑا اور نماز کی جگہ پاک ہو۔ مثلاً پاخانہ، پیشاب وغیرہ ظاہری نجاسات ہیں۔ حکمی نجاست یہ ہے۔ جنبی ہونا بے وضو ہونا اور عورت کا حیض والی ہونا وغیرہ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

زبان سے نماز کی نیّت

سوال :۔ تکبیر اولیٰ سے قبل نیت نماز ضروری ہے یا نہیں۔ کیا نیت زبان سے ادا کی جائے۔ جب نیت کے لئے آیت قرآن انی وجہت قبل از تکبیر اولیٰ پڑھتے ہیں تو اس آیت کا نیت کے لئے پڑھنا کیوں ناجائز ہے

جواب :۔ تکبیر اولیٰ سے پہلے دل سے نیت ضروری ہے زبان سے نیت ثابت نہیں۔ بلکہ نیت دل ہی کا فعل ہے نہ زبان کا۔ کیونکہ نیت کا معنیٰ قصد اور ارادہ ہے۔ قصد اور ارادہ دل کا فعل ہے اور اِنّی وجہت نیت کے لئے نہیں پڑھی جاتی۔ کیونکہ اس میں کسی خاص عبادت کا ذکر نہیں۔ اور نیت خاص عبادت کی ہوتی ہے نیز اِنّی وجہت کا تکبیر اولیٰ سے پہلے پڑھنا اس کا تسلی بخش کوئی ثبوت نہیں بلکہ بعض روایتوں سے تکبیر اولیٰ کے بعد پڑھنا ثابت ہے چنانچہ مشکوٰۃ "باب یقرأ بعد التکبیر" میں وہ روایت موجود ہے۔ پس یہ صحیح بعد پڑھنا ہے۔ اور نیت پہلے ہوتی ہے تو اس کا نیت کے لئے پڑھنا ثابت نہ ہوا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

نماز کے معنیٰ سیکھنے ضروری ہیں

سوال :۔ دیہاتی لوگوں کو نماز کے معنیٰ نہیں آتے جو لوگ نماز کے معنیٰ نہیں جانتے اُن کی نماز ادا ہو جاتی ہے یا نہیں۔ ؟

جواب :۔ آئندہ کے لئے معنیٰ سیکھنے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ ایسے لوگوں کی نماز خطرہ میں ہے قرآن مجید میں ہے۔ لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ حتیٰ تعلموا ما تقولون۔ یعنی نشہ کی حالت میں

نماز کے قریب نہ جاؤ یہاں تک کہ جو کہتے ہو اُس کو جان لو۔

اِس آیت سے معلوم ہُوا انسان نماز میں جو کہتا ہے اُس کو سمجھے تب نماز ہوتی ہے ورنہ نماز نہیں ہوتی۔ مشکوٰۃ باب المساجد میں حدیث ہے۔

إِنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا قَامَ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاِنَّمَا يُنَاجِيْ رَبَّهٗ

یعنی جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے تو وہ خدا سے مناجات کرتا ہے

اِس سے بھی معلوم ہوا کہ معنیٰ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ بغیر سمجھے مناجات نہیں ہوتی۔ نیز مشکوٰۃ کتاب الدعوات فصل ۲ میں حدیث ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَجِيْبُ دُعَاءً مِنْ قَلْبٍ غَافِلٍ۔

یعنی اللہ تعالیٰ غافل دل کی دعا قبول نہیں کرتا۔

ظاہر ہے جو شخص معنیٰ نہیں جانتا وہ مقصد سے غافل ہے۔ فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد ۲ صفحہ ۹ میں ہے۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رض لَيْسَ لَكَ مِنْ صَلٰوتِكَ اِلَّا مَا عَقَلْتَ مِنْهَا

یعنی ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ تیرے لئے نماز سے وہی ہے جو تو نے سمجھ کر پڑھی۔

اور بخاری باب الوضوء من النوم میں حدیث ہے۔

إِذَا نَعَسَ اَحَدُكُمْ وَهُوَ يُصَلِّيْ فَلْيَرْقُدْ حَتّٰى يَذْهَبَ عَنْهُ النَّوْمُ

یعنی جب ایک تمہارے کو نماز میں اونگھ آجائے تو نماز چھوڑ کر سو جائے یہاں تک کہ اس سے نیند دور ہو جائے

حافظ ابن حجرؒ اس پر لکھتے ہیں۔

والمشهور التفرقة بينهما وان من قرت حواسه بحيث يسمع كلام جليسه ولا يفهم معناه فهو ناعس وان زاد على ذالك فهو نائم۔

یعنی مشہور یہ ہے کہ اونگھ اور نیند میں فرق ہے جس کے حواس اس طرح ٹھہر گئے کہ کلام سنے اور معنیٰ نہ سمجھے اس کو اونگھ والا کہتے ہیں۔ اور جو اس پر زیادہ ہو جائے اُس کو سونے والا کہتے ہیں۔

جو لوگ معنیٰ نہیں جانتے اُن کی حالت بالکل اُونگھنے والے کی سی ہے۔ جب اونگھ کی حالت میں نماز منع ہے تو اُن کی نماز کیسے درست ہوگی۔؟

خدا کی شان نماز جو دین کا ستون ہے اس سے لوگ بہت بے پرواہ ہیں۔ کسی قسم کا فکر نہیں کرتے درست

ہو یا نہ اُن کے لئے یکساں ہے۔ انا للہ۔ خدا تعالیٰ ہماری حالتوں پر رحم کرے اور اپنے دین کا شوق دے۔ آمین

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ ۔ ۲ اگست ۱۹۳۴ء

سبحانک اللّٰھم سے پہلے بسم اللہ

سوال :۔ ثناء جو فاتحہ سے پہلے پڑھی جاتی ہے خصوصاً سبحنک اللھم وبحمدک الخ سے قبل تسمیہ پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ ایک عالم ثناء سے پہلے بسم اللہ پڑھنا ناجائز بتاتے ہیں۔

جواب :۔ ثناء سے پہلے بسم اللہ کا ذکر خصوصی طور پر نہیں آیا۔ البتہ عموم کے طور پر آیا ہے

کل امر ذی بال لم یبدأ فیہ ببسم اللہ فھو ابتر۔

یعنی جو کام اللہ کے نام سے شروع نہ کیا جائے وہ دُم کٹا ہے یعنی بے برکت ہے۔

اِس حدیث سے کم از کم اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اگر پڑھ لے تو کوئی حرج نہیں، مگر دل میں کچھ تردد رہتا ہے کہ نماز کے متعلق ہمیں ذرا ذرا سی باتیں پہنچ گئی ہیں، اگر ثناء سے پہلے آپ نے بسم اللہ پڑھی ہوتی تو اس کا ذکر کسی روایت میں ہوتا۔ اِس لئے نہ پڑھنے والے کو بھی بُرا نہ کہنا چاہیے۔ کیونکہ دونوں طرف کچھ نہ کچھ دلائل ہیں۔ پڑھنے والے کی دلیل عموم ہے اور عام سے استدلال صحیح ہے۔ اور جو نہیں پڑھتا اُس کی دلیل یہ تردد ہے جس کا ابھی ذکر ہوا ہے ورنہ تردد بھی بے جا نہیں۔ اِس لئے ایسے موقع پر ایک دوسرے پر تشدد نہ چاہیئے۔ اور نہ ایسے مسائل پر زور دینا چاہیئے کیونکہ دونوں جانب معمولی دلیل ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۲۲ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ ۔ ۱۵ اگست ۱۹۳۳ء

نماز میں کھڑے ہونے اور ہاتھ باندھنے کا طریقہ

سوال :۔ نماز میں کیسے کھڑا ہونا چاہیئے اور ہاتھ کہاں اور کس طرح باندھے جائیں۔

ایک سائل

جواب :۔ نماز کے لئے قبلہ رُو اِس طرح کھڑا ہو کہ پاؤں اور کندھوں کا فاصلہ برابر ہو تاکہ اگر دوسرے کے ساتھ ملے تو نیچے اُوپر سے سارا مل سکے۔ اور نظر پاؤں کی جگہ رہے تو بہتر ہے۔ اگر پاؤں سے ہٹ جائے تو

سجدہ کی جگہ سے آگے نہیں بڑھنی چاہیئے۔ اپنے دل کو پورا اللہ کی طرف متوجہ کرے۔ اور اللہ اکبر کہہ کر نماز کی نیت باندھے اور انگلیوں کو کشادہ رکھ کر ہتھیلیوں کو قبلہ رُخ کرکے کانوں تک یا کندھوں تک دونوں ہاتھ اٹھائے پھر بایاں ہاتھ نیچے اور دایاں اُوپر سینے پر رکھے۔ اور اس کے بعد ثنا یا دُعا پڑھے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۵ محرم ۱۳۵۹ھ

نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنا

سوال :۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے اپنے رسالہ الاقتصاد میں لکھا ہے کہ :۔

قیام میں ہاتھ زیر ناف باندھے۔ ابُوداؤد نسخہ الاعرابی جلد اول ص۔۔ میں ابی جحیفہ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ سُنّت طریقہ یہ ہے کہ نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ رکھا جائے۔ اور ابو وائل سے روایت ہے کہ حضرت ابُوہریرہؓ نے فرمایا کہ ہاتھ کا پکڑنا ہاتھ سے نماز کے اندر ناف کے نیچے ہے۔ (روایت کیا ان دونوں حدیثوں کو ابُوداؤد نے)

کیا مولوی اشرف علی کا بیان کردہ مسئلہ یہ درست ہے۔ ایک سائل

جواب :۔ مولوی اشرف علی نے بہت خیانت کی ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ایک راوی عبدالرحمن بن اسحٰق کوفی ہے۔ ابُوداؤد میں لکھا ہے کہ میں نے امام احمدؒ سے سُنا ہے وہ اس کو ضعیف کہتے تھے۔

راوی کے اس ضعف کو ظاہر نہ کرنا یہ کس قدر خیانت ہے۔ پھر لُطف یہ ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھنے کی صحیح حدیث بلوغ المرام میں موجود ہے اس کا نام تک نہیں لیا۔ تاکہ کسی کو صحیح حدیث کا پتہ نہ لگ جائے اور وہ حدیث یہ ہے

وَعَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ رض قَالَ صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى عَلٰى صَدْرِهٖ اخرجه ابن خزيمه۔

یعنی وائل بن حجرؓ سے روایت ہے اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی پس آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر اپنے سینہ پر رکھا۔ ابن خزیمہ نے اس کو نکالا ہے۔

لہ مجمع الزوائد ت ابن خزیمہ

اِس حدیث سے ظاہر ہے کہ نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھے جائیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۱۹۲۵ء

رفع الیدین

سوال :- حنفی لوگ رفع یدین کی ابتداء آغاز اسلام سے بتاتے ہیں کہ مسلمان کفار کی طرح بغلوں میں بت لے کر نماز پڑھتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ہٹانے کے لئے رفع یدین کا حکم دے دیا کیا یہ بات درست ہے؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رفع یدین کی ہے۔

جواب :- بیہقی میں رفع یدین کی حدیث ذکر کی ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

فمازالت تلك صلوته حتى لقى الله۔

یعنی آخری دم تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی نماز رہی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آپ ہمیشہ رفع یدین کرتے تھے۔

بخاری میں حدیث ہے صلوا کما رایتمونی اصلی۔ یعنی آپ نے فرمایا جیسے مجھے نماز پڑھتا دیکھتے ہو۔ اسی طرح نماز پڑھو تو گویا آپ نے فرمادیا کہ تم ہمیشہ رفع یدین کرو۔ کیونکہ آپ تا وفات رفع یدین کرتے رہے ——— یہ سب بے اصل اور بے دلیل باتیں ہیں کہ ابتداء اسلام میں لوگ بغلوں میں بت لے کر نماز کو آیا کرتے تھے۔ معاذ اللہ یہ صحابہؓ پر شرمناک حملہ ہے۔ کسی مسلمان کے منہ سے یہ بات زیب نہیں دیتی۔

عبداللہ امرتسری ۳ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ - ۱۴ مئی ۱۹۳۶ء

کیا ترک رفع الیدین سے نماز میں نقص آتا ہے

سوال :- زید اور بکر رکوع کے وقت رفع یدین کے بارہ میں جھگڑا کرتے ہیں۔ زید کہتا ہے کہ رفع یدین کے بغیر نماز ناقص و نامکمل ہے اور حدیث صلوا کما رایتمونی کے خلاف ہے۔

بکر کا خیال ہے کہ زیادہ سے زیادہ رفع یدین کا استحباب ثابت ہے اور اس کا ترک بھی بڑے بڑے صحابہؓ سے ثابت ہے۔ لہٰذا اگر رفع یدین کے بغیر نماز پڑھ لی جائے تو اس کا کوئی حرج نہیں۔ ان دونوں میں سے کس کی رائے درست ہے؟ محمد فیروز الدین نائب مدرس لوئر مڈل سکول چاپڑ ڈاکخانہ بھلورہ ضلع سیالکوٹ

جواب :۔ ترک رفع یدین کے بارہ میں سب سے زبردست عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے۔ مگر اس میں بھی کئی طرح سے کلام ہے ملاحظہ ہو ابوداؤد و ترمذی۔ اس لئے احتیاط رفع یدین کرنے ہی میں ہے۔ نہ کرنے میں خطرہ ہے کہ نماز میں نقص آئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ۔ ۳۰ جولائی ۱۹۳۶ء

کیا رفع یدین، آمین، فاتحہ خلف الامام منسوخ ہو گئی تھی؟

سوال :۔ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ آمین، رفع یدین پہلے ابتداء اسلام میں کی گئی تھیں۔ آخر عمر میں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور نہ صحابہؓ نے کی۔ کیا اس کا یہ کہنا درست ہے؟

محمد شفیع اہلحدیث مضع فرید پور ڈاکخانہ نسوڑ ریاست پٹیالہ

جواب :۔ ابتداء اسلام سے کیا مراد ہے مکہ شریف میں ہجرت سے پہلے یا کچھ اور۔ اگر مکہ شریف میں ہجرت سے پہلے کا وقت مراد ہے تو مشکوٰۃ وغیرہ میں ہجرت کے بعد کی بہت سی احادیث موجود ہیں۔ جن میں رفع یدین کا ذکر ہے۔ وائل بن حجرؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اخیر زمانہ میں آئے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رفع یدین کرتے دیکھا۔ ملاحظہ ہو۔ مشکوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ بلکہ بیہقی میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ رفع یدین کرتے رہے یہاں تک کہ آپ وفات پا گئے ملاحظہ ہو تلخیص الحبیر۔ اسی طرح آمین کے متعلق وائل بن حجرؓ کی حدیث مشکوٰۃ باب القراۃ فی الصلوٰۃ فصل ۲ میں موجود ہے

اصل بات یہ ہے کہ جب تک یہ ثبوت نہ دیا جائے کہ فلاں وقت تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رفع یدین کرتے رہے یا آمین کہتے رہے اس کے بعد منسوخ ہو گئی، اس وقت تک یہ کہنا غلط ہے کہ رفع یدین ابتداء اسلام میں پہلے تھی۔ یہی حال فاتحہ خلف الامام کا ہے۔ اس کے متعلق بھی ثبوت ہونا چاہیے کہ کس وقت تک پڑھتے رہے اور کب منسوخ ہوئی تاکہ اس کے بعد پڑھنے کا ثبوت ہم دے سکیں۔ اور آیت کریمہ و اذا قرئ القرآن سورۂ اعراف کی ہے جو مکی ہے، چنانچہ عام طور پر قرآن مجید کے نسخوں میں اس سورہ کے شروع میں یہ لکھا ہے تو پھر اس آیت سے اخیر میں منسوخ ہونے کا کیا مطلب؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مولوی کوئی جاہل بلکہ اجہل ہے جس نے کبھی قرآن مجید کھول کر نہیں دیکھا۔ اتقاللہ

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ ، انبالہ

مورخہ ۲ شعبان ۱۳۵۹ھ ۔ ۷ ستمبر ۱۹۴۰ء

حضورؐ نے رفع الیدین ہمیشہ کی ہے

سوال :۔ آمین بالجہر اور رفع یدین کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا فرمان بیان فرمائیں کہ اس میں ہمیشگی کا لفظ ہو۔

جواب :۔ سائل نے سوال کا جو طریق اختیار کیا ہے کہ آمین اور رفع یدین کے ثبوت میں آپ کے فرمان کے علاوہ ہمیشگی کا لفظ پیش کیا جائے۔ یہ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اس مطالبہ سے ان احکام کا انکار لازم آتا ہے۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ثابت ہوئے ہیں جیسے نماز کی نیت باندھنے کے وقت رفعیدین آپ کے فعل سے ثابت ہے۔ ایسی کوئی روایت نہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ تم نیت باندھنے کے وقت ہمیشہ رفعیدین کیا کرو۔ اس طرح نیت باندھ کر سبحانک اللھم یا اللھم باعد بینی وبین خطایای کی بابت بھی کوئی ایسی روایت نہیں آئی جس میں آپ نے فرمایا ہو کہ نیت باندھ کر یہ پڑھا کرو۔ غرض ایسے بہت سے احکام ہیں۔ اگر سائل کے طریق پر ہر بات کا جواب قول ہی ہو اور اس میں ہمیشگی کا لفظ بھی ہو تو معاذ اللہ شریعت کے بہت سے حصے سے انکار کرنا پڑے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آمین اور رفعیدین کے لئے ہمیشگی کا لفظ طلب کرنے والے کوئی ناواقف ہیں۔ عالم ایسا سوال نہیں کر سکتا اور یہ یاد رہے کہ صحابہؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے قول کی نسبت زیادہ متاثر ہوتے تھے۔ یعنی آپ کے فعل کا اثر ان پر قول سے زیادہ ہوتا تھا۔ چنانچہ بخاری طبع مصر کے صفحہ ۲ وغیرہ میں حدیث ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو قربانی کرنے کا حکم دیا صحابہؓ باوجود حکم کے قربانی کرنے کے لئے نہ اٹھے۔ پھر فرمایا کوئی نہیں اٹھا۔ پھر فرمایا کوئی نہیں اٹھا اسی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہو کر حضرت ام سلمہؓ کے پاس چلے آئے۔ حضرت ام سلمہؓ نے غمی کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ میں نے قربانی کرنے کا کئی مرتبہ حکم دیا۔ مگر میرے حکم کی کسی نے پرواہ نہیں کی۔ حضرت ام سلمہؓ نے فرمایا کہ آپ سب سے پہلے اپنی قربانی کر دیجئے اور حجامت بنوا لیجئے۔

چنانچہ آپ نے اسی طرح کیا۔ جب صحابہؓ نے دیکھا تو پھر وہ ایک دوسرے سے جلدی جلدی قربانی کرنے اور حجامت بنانے لگے حتیٰ کہ ہجوم کی وجہ سے خطرہ پیدا ہو گیا کہ کوئی دب کر نہ مر جائے۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ صحابہؓ پر آپ کے قول کی نسبت فعل کا زیادہ اثر ہوتا تھا۔ اب جو شخص قول حدیث مانگتا ہے وہ بے علم نہیں تو اور کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ علم باعمل دے اور خاتمہ بالخیر کرے۔ آمین۔

عبداللہ امرتسری

سجدہ کو جاتے، سجدہ میں اور سجدے سے اُٹھتے وقت رفع الیدین

سوال :۔ سجدہ کو جاتے اور سجدے سے اُٹھتے وقت رفع الیدین مسنون ہے یا نہیں؟ سجدہ کی رفعیین کی احادیث قابل عمل ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں، حالانکہ سجدہ کی رفع الیدین کی احادیث کتب سنن و غیر سنن میں ایک جماعت صحابہؓ سے آئی ہیں، جن میں ضعیف اور غیر ضعیف بھی ہیں، اگرچہ ضعیف ہیں مگر کثرت طرق سے ان کا ضعف منجبر بھی ہو سکتا ہے۔ امام نسائی نے مالک بن حویرث سے باب رفع الیدین للسجود میں اور نیز دوسری حدیث بروایت نصر ابن عاصمؒ مالک بن حویرث سے بیان کی ہیں جس میں وضاحت ہے کہ سجدہ سے اُٹھتے ہوئے حضور رفع الیدین کرتے تھے۔ امام احمدؒ نے بھی مسند احمد جلد ۵ صفحہ ۔۔۔ پر اسی مفہوم کی حدیث مالک بن الحویرث سے نقل کی ہے۔ اس حدیث پر بعض نے یہ جرح کی ہے کہ قتادہ راوی ہے جو مدلس ہے۔ اور قتادہ نے اس روایت کو لفظ عن سے روایت کیا ہے۔ تو جواب اس کا یہ ہے کہ امام ترمذی نے مطلقاً قتادہ کی ان روایتوں کو جو بلفظ عن مروی ہیں، بہت جگہ صحیح کہا ہے خواہ وہ شعبہ کے طریق سے ہوں یا غیر شعبہ کے طریق سے۔ نیز حافظ ابن حجرؒ نے قتادہ کی اس روایت کو جو بلفظ عن مروی ہے صحیح کہتے ہیں حالانکہ وہ غیر طریق شعبہ ہے۔ جیسا کہ ابو داؤد۔ فتح الباری۔ تفسیر فتح البیان میں قتادہ کی ان روایتوں کو صحیح کہا ہے جن میں وہ عن سے روایت کرتے ہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۵۱ میں ہے۔

وقد تقرر ان روایۃ ابی اسحٰق من طریق شعبۃ محمولۃ علی السماع وان کانت معنعنۃ قال الحافظ ابن حجرؒ فی طبقات المدلسین قال البیہقی وروینا عن شعبۃ انہ قال کفیتکم تدلیس ثلثۃ الاعمش وابی اسحٰق و قتادۃ قال الحافظ فہذہ قاعدۃ جیدۃ فی حدیث ہولاء الثلاثۃ انہا اذا جاءت من طریق شعبۃ دلت علی السماع ولو کانت معنعنۃ

یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ابو اسحٰق کی روایت شعبہ کے واسطے سے سماع پر محمول ہے۔ خواہ عن کے ساتھ ہو حافظ ابن حجرؒ نے طبقات المدلسین میں بیہقی سے نقل کیا ہے۔ شعبہ کہتے ہیں میں نے تین کی تدلیس سے تمہاری کفایت کی ہے۔ اعمش۔ ابو اسحٰق۔ قتادہ۔ حافظ ابن حجرؒ کہتے ہیں۔ یہ کھرا قاعدہ ہے۔ ان

تینوں میں سے جب کوئی روایت شعبہ کے ذریعہ سے آئے۔ تو وہ سماع پر دلالت کرے گی۔ اگرچہ عن کے ساتھ روایت ہو۔ یہ تو تدلیس کا جواب ہے۔ اب صرف ایک اعتراض باقی ہے کہ نصر بن عاصم مالک بن حویرث روایت لینے میں متفرد ہیں۔ دو وجہ سے یہ جرح مضر نہیں کرتی ہے۔ ایک اس لئے کہ نصر بن عاصم لیثی بصری ثقہ ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ مالک بن حویرث کی یہ حدیث جو سنن ابی داؤد صفحہ ۲۶۳ مع عون المعبود میں ہے تائید کرتی ہے۔ جو میرے نزدیک اس باب میں اصل ہے۔ اور حدیث بروایت عبد الجبار بن وائل بن حجر اس کی مؤید ہے۔ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور عادل ہیں۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ امام ابوداؤدؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کو ہمام نے بھی محمد بن جحادہ سے روایت کیا ہے لیکن اس نے سجدہ کی رفع یدین کا ذکر نہیں کیا۔ محمد بن جحادہ کے صرف ایک شاگرد عبد الوارث نے اس کو ذکر کیا ہے۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ عبد الوارث کا متفرد ہونا مضر نہیں کرتا کیونکہ عبد الوارث ہمام سے بڑھ کر عادل ہے۔ کیونکہ تقریب میں ہمام کو ثقاہت کا ایک درجہ دیا ہے اور عبد الوارث کو دو درجے زیادتی ثقہ احفظ کی بالاتفاق مقبول ہے۔

علاوہ ان ہر دو روایت کے متعدد احادیث ضعیف اور عمل ایک جماعت صحابہ و تابعین کا ان روایتوں کو قوت دیتا ہے۔ بعض اہل علم سجدہ کی رفعیدین کی احادیث پر یہ جرح کرتے ہیں کہ حدیث عبد اللہ بن عمر اور علی بن ابی طالب اور موسیٰ اشعری ان احادیث کے معارض ہیں۔ کیونکہ ان کی احادیث میں سجدہ کی رفعیدین کا انکار اور نفی ہے۔ سو یہ جرح اہل حدیث کی شان سے بعید ہے۔ اس لئے کہ اس قسم کی احادیث کا اہل حدیث واصحاب الہدیٰ یہ جواب دیتے ہیں کہ روایات مثبتہ روایات نافیہ پر مقدم و ترجیح رکھتی ہیں۔

(مولوی سراج دین جھنگ پور)

جواب:۔ سجدہ میں رفع یدین کی احادیث شبہ سے خالی نہیں۔ جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

اصول حدیث میں لکھا ہے کہ اگر کوئی محدث اسنادہ صحیح کہے تو اس سے صحت حدیث ثابت نہیں ہوتی۔ ہاں اگر اسنادہ صحیح کہہ کر اس کے بعد کوئی جرح ذکر نہ کرے تو یہ صحت حدیث پر دلالت ہو گی کیونکہ اگر کوئی جرح ہوتی تو وہ سکوت نہ کرتا۔

الفیہ عراقی میں ہے۔ والحکم للاسناد بالصحۃ او بالحسن دون الحکم للمتن

رأوا واقبلہ ان اطلقہ من یعتمد ولم یعقبہ لضعف ینتقد۔

یعنی اسناد کے صحیح یا حسن ہونے کا حکم متن کے صحیح یا حسن ہونے کو نہیں چاہتا۔ ہاں معتمد علیہ محدث اسناد

پر صحیح یا حسن ہونے کا حکم کرے اور اس کے بعد کوئی ضعف بیان نہ کرے۔ جس سے متن کی تنقید ہو تو اس صورت میں متن بھی صحیح ہوگا۔

اس عبارت کا مطلب اگرچہ بعض نے اتنا ہی بیان کیا ہے۔ مگر اصل یہ ہے کہ اس عبارت سے دو باتیں مفہوم ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ متن پر صحت یا حسن کا حکم لگانا یہ حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کا کم درجہ ہے۔ کیونکہ اسناد پر حکم لگانے کی صورت میں یہ احتمال رہتا ہے کہ شاید اس میں شذوذ یا علت وغیرہ ہو۔ گویا اس احتمال کی بنا پر یہ حکم لگانے سے حدیث کی صحت یا حسن اس درجہ کی نہیں سمجھی جاتی۔ جس درجہ کی متن پر حکم لگانے سے سمجھی جاتی ہے۔ دوسری بات یہ کہ کم درجہ معتبر ہے۔ لیکن اس شرط پر کہ اسناد پر صحت یا حسن کا حکم لگانے کے بعد محدث سکوت کرے اور اس میں شذوذ[1] علت وغیرہ بیان نہ کرے جو ضعف حدیث کا باعث ہو۔ یہ مطلب مقدمہ ابن صلاح کی عبارت سے اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے۔ مقدمہ ابن صلاح کی نوع ثانیہ ص۲۱ میں ہے۔

قولهم هذا حديث صحيح الاسناد او حسن الاسناد دون قولهم هذا حديث صحيح او حديث حسن لانه قد يقال هذا حديث صحيح الاسناد ولا يصح لكونه شاذا او معلا غير ان المصنف المعتمد منهم اذا اقتصر على قوله انه صحيح الاسناد ولم يذكر له علة ولم يقدح فيه فالظاهر منه الحكم له بانه صحيح فى نفسه لان عدم العلة والقادح هو الاصل والظاهر والله اعلم

یعنی محدثین کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد یا حسن الاسناد ہے۔ یہ ان کے اس قول سے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا یہ حدیث حسن ہے، کم ہے۔ کیونکہ بعض دفعہ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور در حقیقت بوجہ شاذ یا معلل ہونے کے حدیث صحیح نہیں ہوتی ہاں معتمد مصنف صحیح الاسناد کہہ کر کوئی علت اور عیب ذکر نہ کرے تو ظاہر یہی ہے کہ اس کا یہ حکم حدیث کی صحت کی بابت ہے۔ کیونکہ اصل اور ظاہر یہی ہے کہ کوئی علت اور عیب نہیں ورنہ وہ ذکر کرتا۔

اس عبارت سے اوپر کی دونوں باتیں اچھی طرح واضح ہو گئیں کیونکہ اسناد پر صحت یا حسن کے حکم لگانے کی

---

[1] شذوذ اسے کہتے ہیں کہ ثقہ راوی اپنے سے زیادہ ثقہ کی یا کئی ثقوں کی مخالفت کرے۔ اور علت پوشیدہ عیب کو کہتے ہیں۔ جس پر ہر ایک مطلع نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بڑے بڑے محدثین مطلع ہوتے ہیں

بابت کہا ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث صحیح ہے اور جب براہِ راست حدیث پر صحت یا حسن کا حکم لگایا تو یہ حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کی تنصیص اور تصریح ہے۔ اور ظاہر کا درجہ تنصیص سے کم ہے۔ کیونکہ ظاہر میں کچھ احتمال رہتا ہے۔ جیسے یہاں احتمال ہے کہ شاید شذوذ وغیرہ کا کوئی احتمال ہو۔ بخلاف تنصیص اور تصریح کے کہ اس میں اس قسم کی گنجائش نہیں۔ اور باوجود درجہ کم ہونے کے ظاہر پر بالاتفاق عمل ہوتا ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ جب ظاہر کا اور تنصیص کا مقابلہ ہو جائے تو پھر ظاہر پر عمل نہیں رہتا جیسے صحیح الاسناد کہنے سے اگرچہ صحت حدیث ظاہر ہوتی ہے لیکن جب صحیح الاسناد کہنے کے بعد محدث کسی عیب کی تنصیص اور تصریح کر دے تو پھر اس تنصیص اور تصریح پر عمل ہوگا۔ ظاہر پر عمل نہیں ہوگا۔ یعنی حدیث صحیح نہیں سمجھی جائے گی۔ اگر تنصیص اور تصریح نہ ہو تو پھر ظاہر پر عمل ہوگا۔ یعنی حدیث صحیح سمجھی جائے گی تو ایک عام قاعدہ کا بیان تھا۔ اب اس اسناد کا حال سنیے جس کو حافظ ابن حجرؒ وغیرہ نے صحیح کہا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے طبقات المدلسین ص۲ میں مدلسینؒ کے پانچ مراتب ذکر کئے ہیں۔ ان سے تیسرے مرتبہ کی بابت فرماتے ہیں:۔

الثالث من اکثر من التدلیس فلم یحتج الائمة من احادیثهم الا بما صرحوا فیه بالسماع ومنهم من رد حدیثهم مطلقا ومنهم من قبلهم کابی الزبیر المکی انتهیٰ

یعنی تیسرے مرتبہ کے وہ لوگ ہیں جو تدلیس بہت کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی احادیث سے ائمہ نے استدلال نہیں کیا۔ مگر جن روایتوں میں انہوں نے سماع کی تصریح کی ہے وہ لائق استدلال ہیں اور بعض محدثین نے ان کی احادیث کو مطلق رد کر دیا ہے۔ خواہ سماع کی تصریح کریں یا نہ۔ اور بعض محدثین نے مطلقاً قبول کر لیا ہے۔ جیسے ابوالزبیر کی

اس کے بعد آگے چل کر اس مرتبہ کے پچاس آدمی بتلاتے ہیں۔ جن سے ایک قتادہ کو بھی شمار کیا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

قتادة بن دعامة السدوسی البصری صاحب انس بن مالک رضی اللہ عنہ

؎ مدلس اس راوی کو کہتے ہیں جو اپنے ملاقاتی سے ایسے صیغہ کے ساتھ روایت کرے جس سے سماع کا وہم ہو مگر سنا نہیں جیسے کہے قال فلان بن فلان۔

كان حافظ عصره وهو مشهور بالتدليس وصفه به النسائي وغيره (طبقات المدلسين صفحہ)

یعنی قتادہ بن دعامہ سدوسی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد اپنے زمانہ کے حافظ ہیں۔ اور وہ تدلیس کے ساتھ مشہور ہیں۔ امام نسائی وغیرہ نے ان کو مدلس کہا ہے۔

اب یہاں دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ حافظ ابن حجرؒ نے قتادہ کی تدلیس کا اعتبار نہ کیا ہو۔ اور اس کی حدیث کو مطلقاً قبول کرتے ہوئے اسنادہ صحیح کہہ کر سکوت کیا جس سے آپ کے قاعدہ کے مطابق یہ حدیث ادنیٰ درجہ کی صحیح ہوگئی۔ دوسری صورت یہ کہ قتادہ چونکہ تدلیس کے ساتھ مشہور ہیں۔ اس لئے اسنادہ صحیح کے بعد اس بات کے ذکر کی ضرورت نہ سمجھی کہ اس میں قتادہ مدلس ہیں۔ کیونکہ شہرت بمنزلہ ذکر کے ہے۔ پس اس صورت میں حدیث ضعیف ہوگی۔ میرے خیال میں اس صورت کو ترجیح ہے۔ کیونکہ جب ائمہ حدیث تیسرے مرتبہ والوں کی احادیث کو لائق استدلال نہیں سمجھتے تو حافظ ابن حجرؒ سے ان کی مخالفت بعید ہے۔ اور امام ابو داؤد کا اس کو اپنی کتاب میں لانا اس کی صحت کی دلیل نہیں۔ کیونکہ وہ ایسی ضعیف احادیث بھی لے آتے ہیں جو تائید کے قابل ہوں۔ اور اگر بالفرض دوسری صورت کو ترجیح نہ ہو تو بھی معاملہ مشکوک رہا۔ کیونکہ احتمال ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اسنادہ صحیح پر شہرت کی بنا پر سکوت کیا ہو۔ اور احتمال ہے کہ تدلیس کا اعتبار نہ کرتے ہوئے سکوت کیا ہو۔ بہرصورت حافظ ابن حجر کے اسنادہ صحیح کہنے سے اس حدیث کی صحت سمجھنا ڈبل غلطی ہے۔ اور ابن سید الناس کے کلام کو بھی اسی پر قیاس کرلیں بلکہ ابن سید الناسؒ نے ورجالہ ثقات کہہ کر اسنادہ صحیح کی تفسیر کردی ہے۔ یعنی اسنادہ صحیح سے مراد یہ ہے کہ راوی ثقہ ہیں۔ اور قتادہ اگرچہ مدلس ہیں لیکن ثقہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور فتح البیان اور عون المعبود کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہے۔ اور اگر کچھ اور ہے۔ تو ان کی غلطی ہے۔ اور امام شوکانی کے سکوت کی وجہ بھی شہرت ہے۔ یعنی قتادہ کی تدلیس مشہور ہے اس لئے کچھ کلام نہیں کی ——— جب اس حدیث کی صحت میں شبہ رہا جس کی نسبت اسنادہ صحیح صراحتہ کہا گیا ہے تو سجدہ میں رفعیدین کی حدیث کی نسبت کس طرح تسلی ہو سکتی ہے۔ رہی یہ بات کہ شعبہؒ کی روایت اعمش، ابی اسحٰق اور قتادہ سے سماع پر محمول ہے۔ سو اس کی نسبت عرض ہے کہ اعمش اور ابی اسحٰق سے تو خواہ سماع پر محمول ہو۔ مگر شعبہ کی روایت کا سماع پر محمول ہونا مشکوک ہے جس کی وجہ حسب ذیل ہے۔

طبقات المدلسین کی عبارت جو مولوی عبدالرحمٰن صاحب مرحوم نے تحفۃ الاحوذی میں نقل کی ہے وہ پوری اس طرح ہے :-

(وقال البیهقی، فی المعرفة روینا عن شعبة قال كنت اتفقد فم قتادة فاذا قال حدثنا وسمعت حفظته واذا قال حدث فلان تركته قال ورويناعن شعبة انه قال كفيتكم تدليس ثلاثة الاعمش وابی اسحٰق وقتادة (قلت) فهذه قاعدة جيدة - الخ (طبقات المدلسین ص)

یعنی بیہقی نے معرفہ میں کہا ہے ہم نے شعبہ سے روایت کی فرماتے تھے کہ جب قتادہ حدیث سناتے تو میں ان کے منہ کی طرف خیال رکھتا۔ جب حدثنا اور سمعت کہتے تو میں یاد کر لیتا۔ جب حدث کہتے تو میں چھوڑ دیتا نیز بیہقی نے کہا ہم نے شعبہؒ سے روایت کیا۔ فرماتے تھے میں نے تین کی تدلیس سے تمہاری کفایت کی۔ اعمش رح، ابو اسحٰق رح، قتادہ رح میں (حافظ ابن حجر رح) کہتا ہوں۔ یہ عمدہ قاعدہ ہے۔ ان تینوں سے جب کوئی روایت شعبہ کے واسطے سے آئے تو وہ سماع پر دلالت کرے گی۔ خواہ عن ہی کے ساتھ روایت ہو۔

اس عبارت کے پہلے حصہ میں ہے کہ شعبہؒ نے قتادہ سے وہی روایتیں لی ہیں جن میں سماع کی تصریح ہے باقی چھوڑ دی ہیں۔ تو اب عنْ والی روایت شعبہؒ سے آہی نہیں سکتی تو اس کے سماع پر محمول ہونے کے کیا معنیٰ؟ اور اس صورت میں قتادہ کی تدلیس کی کفایت کرنے سے شعبہ کا یہ مطلب ہوگا کہ جب قتادہ کا کوئی دوسرا شاگرد ایسے صیغہ کے ساتھ روایت کرے۔ جس میں سماع کی تصریح نہ ہو تو وہ روایت میرے پاس لاؤ۔ میں اس کی تمیز کر دوں گا کہ وہ سماع والی ہے یا نہیں کیونکہ میں اس کی بڑی جستجو رکھتا تھا۔ پس یہ عبارت اس بات کی دلیل ہوئی کہ یہ عن والی روایت شعبہؒ کی نہیں بلکہ کسی راوی کی غلطی سے شعبہ کی طرف نسبت ہو گئی ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مالک بن حویرث رض راوی حدیث کا اپنا عمل اس حدیث پر نہیں کیونکہ وہ صرف رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ چنانچہ مسلم باب استحباب رفع الیدین الخ میں، اور بخاری باب رفع الیدین الخ ہے۔ ہاں اگر تدلیس کی کفایت کرنے سے شعبہ کا مطلب یہ لیا جائے کہ جن روایتوں میں قتادہ نے سماع کی تصریح نہیں کی۔ ان کی بابت بعد کو شعبہ نے قتادہ سے تحقیقات کر کے سماع والی اور غیر سماع والی تمیز کر لیں۔ اور روایت کرنے کے وقت اسی لفظ سے روایت کیں۔ جس لفظ کے ساتھ سنی تھیں جو سماع کے لفظ کے ساتھ سُنیں وہ سماع کے لفظ کے ساتھ روایت کیں۔ اور جو عن وغیرہ کے ساتھ سُنیں وہ عن وغیرہ کے ساتھ روایت کیں تو اس وقت بیشک حافظ ابن حجر رح کا قاعدہ کہ شعبہ کی روایت ان تینوں سے سماع پر محمول ہے درست ہوگا۔ اور اس قاعدہ کی بنا پر رفع یدین کی حدیث صحیح ہوگی۔ لیکن شعبہ کے مطلب میں چونکہ شبہ پڑ گیا ہے۔ اس لئے

تسلی کسی طرح نہیں۔ کیوں؟ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

اِس کے علاوہ مالک بن حویرث رضہ کا صرف دو جگہ رفعیدین کرنا بتلا رہا ہے کہ سجدے کی رفع یدین کوئی مستقل
رفعیدین نہیں۔ بلکہ یہ وہی ہے جو سجدہ کو جاتے اور سجدہ سے سر اُٹھاتے وقت ہاتھ رکھے اور اٹھائے جاتے ہیں۔
کیونکہ احادیث کے مطابق دونوں ہتھیلیاں سجدہ میں کبھی کندھوں کے برابر کبھی منہ کے دونوں طرف رکھی جاتی ہیں اور
سجدہ سے سر اُٹھاتے وقت ساتھ اٹھائی جاتی ہیں۔ اس کی شکل و صورت بظاہر رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر
اٹھاتے وقت رفع الیدین کی سی بن جاتی ہے۔ اِس لئے راوی نے کبھی صورت و شکل کا لحاظ کرتے ہوئے رکوع کے
رفعیدین کے ساتھ اس کا بھی ذکر کر دیا اور کبھی یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ رکوع کا رفعیدین مستقل ہے۔ اور یہ کوئی مستقل
رفعیدین نہیں۔ اِس کا ذکر چھوڑ دیا۔ اور عبداللہ بن عمر رضہ اور حضرت علی رضہ وغیرہ کی احادیث میں جو وارد ہے کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں رفعیدین نہیں کرتے تھے اِس سے بھی اِس کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی اُنہوں نے بھی اس کے
مستقل نہ ہونے کی وجہ سے نفی کر دی ہے۔ آپ نے ان احادیث کو معارض بتایا ہے۔ حالانکہ یہ مؤید ہیں پھر آپ
کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ عدم رؤیت اور اثبات رؤیت کے منافی نہیں۔ کیونکہ یہاں عدم رؤیت اور اثبات رؤیت
کا مقابلہ نہیں بلکہ رؤیت عدم اور رؤیت اثبات کا مقابلہ ہے۔ یعنی جن روایتوں میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سجدہ میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ اِن سے کئی روایتوں میں رؤیت کی تصریح ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم باب
مذکورہ اور بخاری باب الی این یرفع یدیہ فقال فیہ[ؒ] ۔ اور سندھی کا اس طرح سے تطبیق کرنا کہ آں حضرت صلعم سجدہ
کی رفعیدین کبھی کرتے کبھی نہ کرتے یہ اُس وقت مناسب ہے جب سجدہ کی رفعیدین مستقل طور پر ثابت ہو جائے

ؒ اس سے ایک شبہ اور اس کے جواب کی طرف اشارہ ہے۔ شبہ یہ ہے کہ یہاں عدم رؤیت اور اثبات رؤیت کہنا
صحیح ہے۔ کیونکہ جو فعل ایک نے دیکھا دوسرے نے نہیں دیکھا۔ مثلاً مالک بن حویرث نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو سجدہ میں رفع یدین کرتے دیکھا اور عبداللہ بن عمر رضہ نے نہیں دیکھا۔ اس طرح سے ایک طرف عدم رؤیت ہو گئی۔ اور
دوسری طرف اثبات رؤیت ہو گئی۔ جواب اس کا یہ کہنا اُس وقت صحیح ہو سکتا ہے جب ایک صحابی کہتا ہے کہ میں
نے رفع یدین کرتے دیکھا۔ دوسرا کہتا کہ میں نے نہیں دیکھا۔ یا اس کے ذکر سے سکوت کرتا۔ احادیث میں اس طرح
نہیں بلکہ ایک میں ہے کرتے دیکھا۔ دوسری میں ہے نہ کرتے دیکھا۔ پس مقابلہ رؤیت اثبات اور رؤیت عدم میں ہوا۔
نہ عدم رؤیت اور اثبات حدیث میں۔ ۱۲

مگر جب ثبوت ہی مشکوک ہے تو اس کی ضرورت ہی کیا ؟ اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کی حدیث میں رکوع میں رفعیدین کا اثبات ہے اور سجدہ میں نفی ہے۔ اگر اس کا یہ مطلب لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں کبھی چھوڑ دیتے تھے۔ اور راوی نے جیسا دیکھا اُسے بیان کر دیا۔ تو اس پر سوال ہو گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ میں کیوں چھوڑا۔ کیا جواز بتلانے کی غرض سے چھوڑا یا بھول کر چھوڑا یا منسوخ ہونے کی وجہ سے چھوڑا۔ بلا وجہ بھول کر نسبت آپ کی طرف غیر مناسب ہے۔ نیز بھول میں آپ کی اقتداء نہیں ہوتی تو گویا مطلب یہ ہوا کہ سجدہ میں ہمیشہ رفع الیدین کرنا چاہیئے۔ حالانکہ سندھی کی یہ مراد نہیں اس طرح نسخ کی صورت کو سمجھ لینا چاہیے کیونکہ نسخ کی صورت میں لازم آئے گا کہ سجدہ میں بالکل نہ کرنا چاہیئے حالانکہ سندھی کی یہ بھی مراد نہیں۔ اب رہی پہلی صورت یعنی جواز بتلانے کی غرض سے چھوڑا۔ سو اس کی بابت عرض ہے کہ سجدہ میں جواز بتلانے کی غرض سے چھوڑا ہے تو رکوع میں نہ چھوڑنے کا مطلب عدم جواز ہو گا۔ یعنی رکوع میں چھوڑنا جائز نہیں ہو گا۔ حالانکہ سندھی کی یہ مراد بھی بعید ہے۔ کیونکہ نسائی کتاب الافتتاح کی پہلی حدیث پر سندھیؒ نے رکوع میں بھی ترک جواز تسلیم کیا ہے۔

پھر یہاں پر ایک اور ڈبل اعتراض پڑتا ہے وہ یہ کہ اثبات اور نفی دونوں قسم کی احادیث میں استمرار کا صیغہ ہے جو ہمیشگی اور استمرار کو چاہتا ہے تو اب اس طرح سے موافقت نہیں ہو سکتی کہ کبھی کرتے کبھی نہ کرتے بلکہ اس کی صورت یہی ہے کہ سجدہ میں رفعیدین سے مراد مستقل رفع یدین نہیں بلکہ وہی شکل و صورت رفعیدین والی ہے۔ فتامل فیہ [1]

رہی وائل بن حجرؓ کی حدیث جس کو آپ نے اصل قرار دیا ہے۔ اس میں عبدالوارث بن سعید

---

[1] اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہاں دونوں طرف اگرچہ ہمیشگی اور استمرار کے صیغہ ہیں لیکن موافقت کے لئے تاویل کا کوئی حرج نہیں۔ وہ یوں کہ جب چند دن ایک شخص نے ایک حالت دیکھی تو یہ خیال کر کے کہ باقی دنوں میں بھی اسی طرح کرتے ہوں گے۔ استمرار کا صیغہ استعمال کر دیا۔ کیونکہ اصل یہ ہے کہ حکم قائم رہے اور اس کا بدلنا ایک موہوم شے ہے پس یہ تیسرا اعتراض ٹھیک نہیں۔ ہاں پہلے دو اعتراض ٹھیک ہیں ایک یہ کہ جب مستقل رفعیدین کا ثبوت ہی مشکوک ہے تو پھر اس موافقت کی ضرورت کیا ؟ دوسرا یہ کہ اس سے لازم آتا ہے کہ رکوع کے رفعیدین کا ترک ناجائز ہو۔ فافہم ۱۲

بے شک ہمام سے زیادہ ثقہ ہے۔ لیکن ہمام کو خارج سے تقویت بہت ہے۔ عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کی متفق علیہ احادیث جن میں سجدہ میں رفع یدین کی نفی ہے اس کے شواہد ہیں شرح نخبہ میں صحت کے چند درجے مقرر کئے ہیں اوّل نمبر بخاری و مسلم کی روایات پھر صرف بخاری کی پھر صرف مسلم کی۔ پھر جو بخاری و مسلم کی شرط پر ہوں۔ پھر جو صرف بخاری کی شرط پر ہوں پھر جو مسلم کی شرط پر ہوں۔ اور اس روایت کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے لیکن اس میں سجدہ میں رفع یدین نہیں۔

پس اس جہت سے بھی اس روایت کو تقویت ہو گئی پھر عبدالجبار بن وائل کے استاد میں اختلاف ہے عبیداللہ بن عمر بن میسرہؒ جو اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں جن کی بابت تقریب میں ثقہ ثبت لکھا ہے یہ عبدالوارث سے وائل بن علقمہ نقل کرتے ہیں۔ اور ابوخیثمہ زہیر بن حرب بھی اسی اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں وہ بھی عبدالوارث سے بواسطہ عبدالصمد بن عبدالوارث "وائل بن علقمہ" ہی نقل کرتے ہیں۔ اور ابراہیم بن الحجاج سامی جس کو تقریب میں ثقة یھم قلیلا کہا ہے یعنی ثقہ ہے کچھ وہم کرتا ہے۔ اور عمران بن موسیٰ ابوعمرو البصری جس کو تقریب میں صدوق کہا ہے۔ یہ دونوں عبدالوارث سے علقمہ بن وائل نقل کرتے ہیں۔ اور صحیح یہی ہے چنانچہ تہذیب میں اور تقریب میں حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تصریح کی ہے۔ اب دیکھئے عبیداللہ اور ابوخیثمہ اعلیٰ درجہ کے ثقہ ہیں۔ دونوں کی بابت تقریب میں ثقہ ثبت لکھا ہے۔ اور ابراہیم اور عمران یہ ان کی نسبت بہت ہلکے درجہ کے ہیں کیونکہ دوسرے کو تو صرف سچا کہا ہے۔ اس کے حافظ وغیرہ کی تعریف نہیں کی اور پہلے کے لئے جامع لفظ بولا ہے جو حافظ وغیرہ کو بھی شامل ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ وہ کچھ وہم کرتا ہے مگر باوجود اس کے عبدالجبار بن وائل کے استاد کی نسبت انہی کا قول درست ہے یہ کیوں؟ اس لئے کہ ان کے قول کو خارج سے تقویت پہنچ گئی ہے۔ وہ یوں عفان بن مسلم البصری نے ہمام بن یحییٰ البصری سے علقمہ بن وائل نقل کیا ہے۔ اور اسحٰق بن ابی اسرائیل نے بھی عبدالصمد سے علقمہ بن وائل نقل کیا ہے۔ اس طرح کے بعض اور خارجی قرائن بھی ہیں جو عبدالجبار کا استاد علقمہ بن وائل ہونے کے مقتضی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ یہ کوئی ضروری نہیں کہ زیادہ ثقہ کی بات کو ہمیشہ ترجیح ہوا کرے بلکہ بعض خارجی شواہد ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیتے ہیں۔ اور اسی کی بات درست ہوتی ہے۔ پس اس بنا پر ہمام کی روایت کو ترجیح ہونی چاہیے اور یہی وجہ ہے کہ امام مسلم ہمام کی روایات اپنی کتاب میں لائے ہیں۔ اور عبدالوارث کی نہیں لائے ملاحظہ ہو باب وضع یدہ الیمنیٰ الخ۔ پس جس روایت کو آپ نے اصل خیال کیا تھا وہ محل استدلال میں فرع

بھی نہ رہی ۔ اس کے علاوہ مالک بن الحویرث رض کی حدیث میں سجدہ میں رفع یدین سے مراد مستقل رفعیدین مراد نہ ہو تو اس میں بھی وہی مراد لینا چاہیے تاکہ سب احادیث میں موافقت ہو جائے اور کسی قسم کا اختلاف نہ رہے ۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ

۳۰ صفر ۱۳۵۴ھ ۔ ۲۴ مئی ۱۹۳۵ء

سجدہ کے درمیان رفع الیدین کا مسئلہ

سوال :۔ ایک شخص سنن نسائی ۔ مسند احمد ۔ ابی داؤد ۔ ابن ماجہ ۔ دارقطنی ۔ جزء رفع الیدین امام بخاری رح ۔ طبرانی ۔ بیہقی فی الخلافیات ۔ صحیح ابی عوانہ ۔ ابو یعلیٰ ۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۔ مصنف عبدالرزاق ۔ تلخیص الحبیر کی روایات کی بنا پر سجدہ میں جاتے ہوئے اور بین السجدتین احیاناً رفعیدین کرتا ہے

(۱) مانعین مصیب ہیں یا عامل ؟ (۲) کیا حدیث صحیح ہے ؟ (۳) اگر صحیح ہے تو فی زمانہ اس پر عمل کیوں نہیں کیا جاتا (۴) اگر مجروح ہے تو سنن نسائی کی دو روایتیں جو من طریق شعبہ اور سعید بن ابی عروبہ مروی ہیں ۔ ان پر کونسی جرح ہے ۔ مبہم جرح نہ ہو ۔ اصل بنا انہی دو حدیثوں پر ہے باقی سب روایات انہی کی تائید میں ہیں ۔ عام اس سے کہ صحاح سے ہوں یا ضعاف سے ۔ (۵) کیا یہ رفع الیدین منسوخ ہو چکی ہے (۶) اگر منسوخ ہو گئی ہے تو حدیث ناسخ کو بعد اسناد تحریر فرمائیے (۷) اگر منسوخ نہیں ہوئی تو کون سے صحابہ رض اس کے عامل تھے (۸) اور کون کون سے تابعین اس طرف گئے ہیں (۹) کیا اس کے عامل کی اقتداء میں نماز ہو سکتی ہے (۱۰) جو شخص اس فعل کو روافض کے ساتھ تشبیہ دے اور ناراض ہو کر مخالفت کرے اس کا کیا حکم ہے ۔

ابو حفص الراجی الذریہ غازی خان از ملتان محلہ وزیر آباد

جامع اہل حدیث ۔ ۱۲ جنوری ۱۹۳۶ء

جواب :۔ (۱) مانعین مصیب ہیں ۔

(۲) حدیث صحیح نہیں ۔

(۳) چونکہ حدیث صحیح نہیں اس لئے عمل نہیں ۔

(۴) یہ دو طرح سے مجروح ہے ایک یہ کہ اس میں قتادہ مُدلّس[1] ہے اور اپنے استاد نصر بن عاصم سے سماع

---

[1] مدلس اس راوی کو کہتے ہیں جو اپنے ہمعصر سے جس کو وہ ملا ہے ایسے صیغہ سے روایت کرے کہ وہم سماع کا ہو ۔ باقی صفحہ پر

کی تصریح نہیں کی بلکہ لفظ عن کے ساتھ روایت کرتا ہے اور مدلس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ شعبہ اور سعید بن ابی عروبہ کے شاگردوں میں اختلاف ہے کوئی سجدہ میں رفع الیدین کا ذکر کرتا ہے کوئی نہیں کرتا۔ نسائی میں دونوں طرح کی روایتیں موجود ہیں۔

(ملاحظہ ہو باب رفع الیدین للسجود اور کتاب الافتتاح)

اگر کہا جائے کہ زیادت ثقہ مقبول ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ زیادت ثقہ کے خلاف کو ترجیح ہو تو ایسے زیادت ثقہ معتبر نہیں۔ اور یہاں اس کے خلاف کو ترجیح ہے۔ ایک تو متفق علیہ روایات میں سجدہ میں رفع الیدین کی نفی آئی ہے۔ دوم شعبہ کے جن شاگردوں نے سجدہ میں رفع الیدین کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی روایت میں قتادہ نے اپنے استاذ نصر بن عاصم سے سماع کی تصریح کی ہے۔

پس یہ روایت صحیح نہ ہوئی۔ ملاحظہ ہو نسائی کتاب الافتتاح۔

اس کے علاوہ مالک بن حویرث صحابی رض سے سجدہ میں رفعیدین کرنے کی روایت نقل کی جاتی ہے۔ ان کا خود اس پر عمل نہیں۔ اس قسم کے اور کئی وجوہات ہیں جن کی بنا پر یہ حدیث ناقابل عمل ہو گئی ہے اس لئے اس پر عمل متروک ہے۔

(۵-۶) جب صحت ثابت نہیں تو ناسخ منسوخ کا سوال بے محل ہے۔

(۷) نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ میں بحوالہ ابوداؤد ذکر کیا ہے کہ میمون مکی نے حضرت عبداللہ بن زبیر رض کو سجدہ میں دونوں ہتھیلیوں سے اشارہ کرتے دیکھا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رض کے پاس اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا اگر تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز دیکھنا چاہتا ہے تو عبداللہ بن زبیر رض کی اقتداء کر۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دو صحابی رض اس کے قائل ہیں مگر نیل الاوطار میں ذکر ہے کہ اس کی اسناد میں عبداللہ بن لھیعہ ہے جس میں کلام مشہور ہے۔

(۸) نیل الاوطار کے اسی مقام میں بحوالہ ابوداؤد نسائی ذکر کیا ہے۔ نضر بن کثیر سعدی کہتے ہیں کہ میں نے مسجد خیف میں عبداللہ بن طاؤس کے ایک کنارے نماز پڑھی جب پہلا سجدہ کیا اور سر اٹھایا تو انہوں نے منہ کے برابر ہاتھ اٹھائے۔ میں نے اس کو انوکھا سمجھ کر وہیب بن خالد کے پاس ذکر کیا۔ انہوں نے عبداللہ بن طاؤس سے کہا

بقیہ صفحہ ۔ مگر حقیقت میں اس نے سنا نہ ہو مثلاً کہے عن فلاں یا قال فلاں ایسی روایت ضعیف ہے۔

آپ ایک ایسا کام کرتے ہیں جو کسی کو میں نے یہ کام کرتے نہیں دیکھا۔ عبداللہ بن طاؤس نے جواب دیا کہ میں نے اپنے والد کو یہ کام کرتے دیکھا ہے اور میرے والد نے کہا۔ میں نے عبداللہ بن عباس رضؓ کو یہ کام کرتے دیکھا اور مجھے یاد پڑتا ہے کہ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کام کرتے دیکھا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تابعینؒ سے طاؤس اس کے قائل ہیں۔ مگر نیل الاوطار میں ہے کہ نضر بن کثیر ضعیف ہے۔ اور حافظ ابو احمد نیشاپوری سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث عبداللہ بن طاؤس کی حدیث کی جہت سے منکر ہے

اس کے بعد نیل الاوطار میں کہا ہے دار قطنی نے علل میں حدیث ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ ہر نیچے جانے اور اٹھنے کے وقت رفع یدین کرتے اور فرماتے میں تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں زیادہ قریب ہوں۔ اور یہ احادیث استدلال کے لائق نہیں۔ پس لازم یہی ہے کہ معاملہ عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث جس میں سجدہ میں رفع یدین کی نفی ہے جس کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ پر باقی چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ کوئی دلیل صحیح قائم ہو جائے جیسے دو رکعت میں تشہد پڑھ کر اٹھنے کے وقت رفع یدین پر دلیل صحیح قائم ہو گئی ہے اور سجدہ میں رفع یدین کے استحباب کے اصحاب شافعیؒ سے ابو بکر بن المنذرؒ اور ابو علی طبریؒ اور بعض اہل حدیث بھی قائل ہیں۔

(۹) نماز ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ میں بوجہ احادیث کے اجتہادی غلطی لگ سکتی ہے۔ اور اجتہادی غلطی میں مواخذہ نہیں۔

(۱۰) یہ شخص غلطی کرتا ہے۔ روافض کے ساتھ مشابہت نہ دینی چاہیے کیونکہ یہ اجتہادی غلطی ہے۔

نوٹ:۔ نواب صاحب نے بھی دلیل الطالب علی ارجح المطالب میں اس مسئلہ کی کافی تفصیل کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ سجدہ میں رفع یدین نہیں مگر انہوں نے زیادہ تر بنا اس پر رکھی ہے کہ مالک بن حویرث کا شاگرد نضر بن عاصم ضعیف ہے لیکن نواب صاحب کو اس میں ڈبل غلطی لگی ہے۔ انہوں نے نضر بن عاصم انطاکی سمجھا ہے جو واقعی ضعیف ہے مگر یہاں نضر بن عاصم بصری ہے جو ثقہ ہے تفصیل کے لئے تہذیب التہذیب وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑی مدیر تنظیم
۱۰ محرم ۱۳۵۵ھ ۔ ۳ اپریل ۱۹۳۶ء

جلسہ استراحت

سوال:- پہلی اور تیسری رکعت سے اُٹھنے کے وقت بیٹھ کر اُٹھنا چاہیے یا بغیر بیٹھے اُٹھ کھڑا ہو۔ مولوی اشرف علی تھانوی نے لکھا ہے کہ ترمذی میں ابوہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نمازمیں اپنے قدموں کے پنجوں پر اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے اور کہا کہ ابوہریرہ کی روایت پر عمل ہے اہل علم کے نزدیک۔ رسالہ الاقتصاد صلا

جواب:- یہ جلسہ سنت ہے۔ مولوی اشرف علی نے ترمذی کے جس صفحہ سے یہ حدیث نقل کی ہے اسی صفحہ پر دو چار سطر پہلے مالک بن حویرث کی یہ حدیث موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پہلی اور تیسری رکعت میں ذرا بیٹھ کر اُٹھتے تھے جس کو جلسہ استراحت کہتے ہیں۔ اور اس حدیث کو ترمذی نے صحیح کہا ہے بلکہ بخاری میں بھی ہے جس کی صحت متفق علیہ ہے۔ (مشکوٰۃ باب صفۃ الصلوٰۃ) اور جو حدیث مولوی اشرف علی صاحب نے نقل کی ہے اُس کی بابت ترمذی میں لکھا ہے کہ اس میں خالد بن ایاس راوی ضعیف ہے۔

تنبیہ ۱:- ترمذی کا یہ کہنا کہ ابوہریرہؓ کی روایت پر عمل ہے اہل علم کے نزدیک۔ اس سے مراد کل اہلِ علم نہیں کیونکہ اس سے پہلی حدیث میں جو ہم نے ذکر کی ہے۔ ترمذی کہتے ہیں کہ اس پر بعض اہلِ علم کا عمل ہے۔ اور ہمارے اصحاب (اہل حدیث) کا بھی یہی مذہب ہے جب بعض اہل علم اور اہل حدیث کا مذہب اس حدیث کے موافق بھی ہوا تو ضرور ہے کہ دوسری حدیث میں کل مراد نہ ہوں۔ پس اب اس صورت میں یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ اہل علم کے عمل سے ابوہریرہ کی حدیث صحیح ہو گئی۔ کیونکہ جب کل نہ ہوئے تو اختلاف ہوا اور ضعیف حدیث عمل سے اس وقت صحیح ہوتی ہے جب اختلاف نہ ہو۔

تنبیہ ۲:- قدموں کے پنجوں پر کھڑا ہونے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جلسہ استراحت کے بعد جب دوسری رکعت یا چوتھی رکعت کے لئے کھڑے ہوتے یا تشہد کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہوتے کہ گھٹنے کھڑے کر لیں اور پاؤں پورے زمین پر لگا دیں کیونکہ جب اسی طرح بیٹھ کر کھڑے ہوں گے اور ہاتھ بھی زمین پر ٹیکیں گے۔ چنانچہ اکثر دستور ہے کہ اکثر ٹیکے جاتے ہیں تو کتے کی بیٹھک کی شکل پیدا ہو جائے گی جس کو اقعاء کہتے ہیں۔ اور یہ منع ہے کیونکہ حدیثوں میں کہیں اونٹ کی بیٹھک سے کہیں درندے کی طرح ہاتھ پھیلانے سے کہیں کوے کی طرح ٹھونگے مارنے سے منع کیا گیا ہے گویا اس قسم کی مشابہت

سیوا اپنے کو نماز میں مکروہ سمجھا گیا ہے۔ اقعاء سے بھی چونکہ نہی آئی ہے اس طرح بیٹھ کر کھڑے ہونے سے منع فرمایا تاکہ اقعاء کی شکل پیدا نہ ہو جائے۔ پس اس صورت میں جلسہ استراحت کی اس حدیث میں نفی نہیں ہوگی۔ اور دونوں حدیثوں میں موافقت ہو جائے گی۔ عبداللہ امرتسری روپڑ ۱۹۲۵ء

قرأت کا بیان

جہری نمازوں میں جہری بسم اللہ پڑھنے کا مسئلہ

سوال:۔ کیا قرأت بالجہر کے ساتھ بسم اللہ بھی جہری پڑھے یا سری۔ اور یہ جو حدیث ہے۔ عن انس ان النبی وابابکر وعمر کانوا یفتتحون الصلوۃ بالحمد للہ رب العلمین۔ کیا یہ صحیح ہے؟
سائل عبدالرحمٰن حصاری خطیب جامع مسجد کمالیہ

جواب:۔ بسم اللہ دونوں طرح درست ہے خواہ سری پڑھے یا جہری آہستہ پڑھنے کی دلیل جو آپ نے بیان کی ہے۔ اور جہر کی دلیل نعیم کی حدیث ہے جو انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت کی ہے۔ اور وہ نسائی میں ہے۔ تفصیل کے لئے ہماری کتاب آمین و رفع الیدین ملاحظہ فرمائیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی۔ ۲۵ رجب ۱۳۸۳ھ ۱۳ دسمبر ۱۹۶۳ء

پہلی دو رکعت میں جہری قرأت کی وجہ

سوال:۔ فرض نماز کی پہلی دو رکعت میں امام باواز بلند اور فاتحہ کے ساتھ دوسری سورۃ شامل کر کے پڑھتا ہے اور پچھلی دو رکعت خاموشی سے پڑھی جاتی ہیں۔ اور ان میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے حالانکہ فرض چار ہوں یا تین برابر درجہ رکھتے ہیں۔

جواب:۔ بلوغ المرام میں حدیث ہے پہلے نماز دو رکعت فرض ہوئی تھی پھر ہجرت کے بعد چار ہو گئی۔ فجر کی اس لئے دو رہی کہ اس میں قرأت لمبی ہوتی تھی اور مغرب دن کے وتر ہیں۔ اس لئے اس میں ایک رکعت کم رہی۔ جب اصل نماز دو ہی تھی تو فرق کرنے کے لئے پہلی رکعتوں میں جہری قرأت کا حکم ہوا۔ اور قرأت کا بھی فرق کر دیا پہلی دو میں فاتحہ اور سورۃ اور اخیر میں صرف فاتحہ۔ لیکن قرأت کا فرق خفیہ کے نزدیک ضروری ہے۔ قائل حدیث کے نزدیک رہی یہ بات کہ دن میں جمعہ وغیرہ کے سوا جہر نہیں۔ سو اس کی وجہ یہ ہے کہ رات کی آوازوں کی آوازیں پُرجوش ہوتی ہے۔ اور جمعہ وغیرہ میں کثرت جماعت کی رعایت رکھی گئی ہے تاکہ تذکیر کا فائدہ ہو عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ ۱۷ صفر ۱۳۵۳ھ ۔ ۳۱ مئی ۱۹۳۴ء

مسئلہ ارسال الیدین

یہ مسئلہ نماز کے متعلق ہے جو اپنے مقام پر درج نہیں ہو سکا۔

سوال:۔ نماز میں رکوع کے بعد قومہ میں ہاتھ باندھے یا چھوڑے جائیں؟

جواب: ہر رکوع کے بعد قومہ میں ہاتھ چھوڑے جائیں۔ چنانچہ مشکوٰۃ فصل رابع میں ہے۔

عن جریر الطبری قال کان علیؓ اذا قام الصلوۃ وضع یمینہ علی رسغہ فلا یزال